5 مئی 2026
کینیڈا

کریم الدین / پُٹو صاحب / کریم صاحب

بہت سالوں پہلے کی یاد ہے - - کوارٹر نمبر 36 - - - کوارٹرز صدر انجمن - - - طوفانی بارش شروع ہو چکی ہے اور ہم دونوں بھائی نیکریں پہن کر کسی انتظار میں اپنے گھر کے برآمدے سے بارش کو دیکھ رہے ہیں کہ اتنی دیر میں باہر سے اونچی اونچی آوازیں آتی ہیں - - - زبیر، محمود، راجہ زبیر، محمود - یہ آوازیں سن کر میرے والد ہماری طرف اور میری والدہ کی طرف دیکھ کر ہلکے سے مسکراتے ہیں اور کہتے ہیں "کریم الدین" - وہ زیر لب مسکراہٹ اور الفاظ دراصل اس بات کی اجازت ہیں کہ ہم بارش میں نہانے باہر جا سکتے ہیں - یہ غالباً ستر کی دہائی کے آخری سالوں یا اسی کی دہائی کے اوائل کی بات ہے مگر مجھے آج بھی اپنے والد کی وہ زیر لب مخصوص مسکراہٹ اور ان کا "کریم الدین" کہنا ایسے ہی یاد ہے جیسے وہ ابھی میرے سامنے ہوں - ربوہ کی طوفانی بارشیں اور ان میں محلے کے لڑکوں کا پُٹو صاحب کی قیادت میں نہانا جس میں پُٹو صاحب نے ہر گھر کے باہر جا کر لڑکوں کو نکالنا، ایک ایسی activity تھی جس کی یاد آج بھی دل میں لطف پیدا کرتا ہے -

اُس زمانے میں کوارٹرز کے بچوں اور نوجوانوں کی سرگرمیوں کے تین بڑے مراکز تھے - - مسجد یادگار - مسجد مبارک اور صدر انجمن کی گراؤنڈ اور ان تینوں مراکز میں ہونے والی تمام سرگرمیوں کے سرخیل اور روحِ رواں تھے - - پُٹو صاحب - - جن پر محلے کے تمام بڑوں

اور تمام بچوں کا یکساں اعتماد تھا اور والدین کی تسلی کے لیے، اپنے
بچوں کو کہیں بھی بھیجتے وقت یہ بات کافی تھی کہ یو صاحب ساتھ ہیں۔
بھلے وہ پکنک ہو، نہر پر جانا ہو، سائیکل سیر ہو یا سائیکل سفر کرنا ہو،
کہیں میچ کھیلنے جانا ہو یا کسی بھلائی کی سرگرمی ہو، یو صاحب ایک
ایسا نام تھا جو بچوں، بڑوں، بزرگوں، ماؤں، باپوں سب کے لیے
معتبر اور گویا حفاظت کی ضمانت تھا۔ یہ سب ہم عصر تمام محلہ داروں کے لیے
ستّر کا وہ زمانہ ایک ایسی یاد ہے جو شاید اگلے جہاں میں بھی ہمارے ساتھ
ہوگی۔ اسی کی دہائی کے اوائل میں کالج پہنچے تو محلہ اور ربوہ لیول
کی سرگرمیوں سے نکل کر ہائیکنگ اور سائیکلنگ کے شوق نے آن لیا
اور یہ شوق بھی یو صاحب کی مرہونِ منت تھے۔ ان شوقوں کی واحد
inspiring اور driving فورس یو صاحب تھے۔ گو مجھے
ہائیکنگ کے کسی ٹرپ میں تو یو صاحب کے ساتھ جانے کا موقع نہیں ملا مگر
سائیکلنگ کے کم از کم دو ٹرپ میں نے یو صاحب کے ساتھ کیے جس میں پہلا
ٹرپ منڈی بہاؤالدین شاہ تاج شوگر ملز سے شروع ہو کر اسلام آباد۔
مری۔ گلیات۔ ایبٹ آباد اور واپس منڈی بہاؤالدین براستہ ہری پور۔
حسن ابدال۔ اسلام آباد، شاہ تاج شوگر ملز پر اختتام پذیر ہوا
اس سفر میں یو صاحب کے ساتھ ظفر (مظفر)، رضوان، عالی اور عیسیٰ
اور میں شامل تھے۔ اس سفر کی کچھ یادیں رضوان نے پہلے شیئر کی ہیں
مگر ایک بات جو اس سفر میں ہم دوستوں نے یو صاحب کے بارے میں
جانی وہ انکی نیم شب کی عبادت تھی۔ اس سے زیادہ کا بیان مناسب نہ
ہوگا۔

جس دوسرے سفر میں یو صاحب کے ساتھ سائیکلنگ کا موقع ملا وہ راولپنڈی سے شروع ہو کر براستہ لہتراڑ، باغ، سدھن گلی اور مظفر آباد (آزاد کشمیر) تک کا تھا۔ اس سفر کے بارے میں ایک تفصیلی مضمون ہمارے دوست منور جاوید نے اس وقت رسالہ خالد میں لکھا تھا۔ اس سفر کی ایک یاد ایک نئی ٹرم کی ایجاد تھی جو بعد ازاں دیر تک باہمی چھیڑ چھاڑ اور مزاح کا باعث رہی۔ ہوا یوں کہ اس سائیکل سفر میں مجھے پہاڑی علاقے میں سفر کی وجہ سے کچھ معمولی سانس کی تکلیف نے آ لیا جس کے باعث میں تھوڑی دیر کے بعد سائیکل سے اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیتا۔ یو صاحب کے پوچھنے پر کہ بار بار کیوں سائیکل سے اتر جاتے ہو، میں نے کہہ دیا کہ یو صاحب نظارے (scenes) بہت اچھے ہیں، میں نظارے کر رہا ہوں۔ بعد ازاں کوئی بھی دوست جب سفر میں تھک جاتا تو یو صاحب نسیم شاہ صاحب جو میاں کو مخاطب کر کے اور میری طرف آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہتے "بابا نظارے"۔ اسی سفر میں یو صاحب کا سائیکل خراب ہو گیا غالباً چکا (Rim) ٹیڑھا ہو گیا مگر اس شیر دل نے اسی پر سفر جاری رکھا۔

وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے چلتا رہا تا آنکہ سنہ 1991ء آ گیا۔ یہاں پر یو صاحب کے ساتھ میرے ایک نئے تعلق کا آغاز ہوا۔ میں ان دنوں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھ رہا تھا اور ایم اے کے فائنل ایئر کا امتحان دیا تھا اور ربوہ آیا ہوا تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ یو صاحب سے فضل عمر ہسپتال کی سیڑھیوں پر ملاقات ہوئی۔ پوچھنے لگے پڑھائی کہاں تک پہنچی، میں نے بتایا کہ فائنل امتحان دے چکا ہوں جس پر مجھے کہنے لگے

مل میں ایک پوزیشن vacant ہوئی ہے اگر تم مناسب سمجھو تو فلاں دن
انٹرویو کے لیئے منڈی بہاؤالدین آجاؤ۔ یاد رہے کہ یہ صاحب 1982ء سے
شاہ تاج شوگر ملز میں ملازمت اختیار کر چکے تھے۔ غالباً دو دن بعد
مجھے اور منور جاوید کو واپس لاہور جانا تھا، میں نے منور کو ساتھ لیا اور ہم دونوں
منڈی بہاؤالدین چلے گئے کہ وہاں یہ صاحب سے ملکر لاہور چلے جائیں گے۔
ہم دونوں مل میں پہنچے، یہ صاحب نے بتایا کہ چوہدری اعجاز احمد صاحب ایگزیکٹو
ڈائریکٹر آئے ہوئے ہیں وہ تم سے انٹرویو کرینگے۔ بہرحال اسی روز ایک
تقریب میں جو ملز میں ہی کسی employee کی ریٹائرمنٹ پر ہو رہی تھی
چوہدری اعجاز صاحب نے مجھ سے چند سوالات پوچھے اور مجھے عبدالوحید
قریشی صاحب جنرل منیجر کے آفس بھجوا دیا جہاں قریشی صاحب کے قدرے تفصیل
کیساتھ مجھ سے انٹرویو لیا۔ مؤرخہ 2 جون سنہ 1991ء کو میں نے شاہ تاج
شوگر ملز میں ملازمت کا آغاز کیا اور یہاں سے شروع ہوا وہ سفر
جس میں یہ صاحب۔۔۔ یہ صاحب سے کریم صاحب ہو گئے۔ ایک ایسے سفر کا
آغاز ہوا جس میں مجھے دن رات کریم صاحب کے ساتھ تیس سال
کام کرنے کا موقع ملا اور جس کا اختتام 27 نومبر سنہ 2020ء کو میرے
بیرون ملک آنے پر ہوا۔ ان تیس سالوں میں ہر سال کے 365
دن اور ہر دن کے چوبیس گھنٹے تھے اور یہ تمام وقت کریم صاحب
کیساتھ گذرا۔ اس تعلق میں ذاتی تعلق بھی تھا، پروفیشنل تعلق
بھی تھا۔ سینئر اور جونیئر کا تعلق بھی تھا، محبت کا تعلق بھی تھا۔ اس
دوران کریم صاحب کی شخصیت کے بہت سے پہلو میرے سامنے آئے،

دفتری امور، پلر کے آپریشنل معاملات، روزمرہ کے انتظامی مسائل، ٹریڈ یونین کے معاملات، گورنمنٹ اور حکام کے ساتھ معاملات، قانونی اور عدالتی معاملات، ملازمین کے روزمرہ کے معاملات، رھائشی کالونی کا انتظام و انصرام، قانونی مسائل اور موشگافیاں وغیرہ معاملات تھے۔ کریم صاحب ہر معاملے پر نہ صرف اپنی رائے رکھتے تھے بلکہ اسکا زور و شور سے اظہار بھی کرتے اور پوری دیانتداری سے اپنی رائے کا دفاع کرتے اور مقابل کو اس پر قائل کرنے کی کوشش کرتے۔ تاہم انہوں نے کبھی بھی کسی معاملے پر مجھے میری رائے بدلنے کو نہ کہا بلکہ بہت سے معاملات پر اگر میری رائے اُن سے مختلف بھی ہوتی تو اسکو اسی طرح سینئرز اور ہیڈ آفس کو برائے فیصلہ بھجوا دیتے۔ انہوں نے مجھے کبھی spoon feeding نہیں کی بلکہ مجھے اپنی رائے رکھنے اور اسکا اظہار کرنے کا بھرپور موقع دیا۔ انکے دیے ہوئے اس اعتماد نے مجھے اپنی پروفیشنل زندگی میں بہت فائدہ دیا اور میں معاملات پر اپنی رائے بنانے کے قابل ہوا۔

وہ ایک نڈر اور بہادر انتظامی افسر تھے اور کبھی بھی اپنی رائے کے اظہار سے نہ گھبراتے تھے بھلے مقابل پر کوئی کتنا ہی اثر و رسوخ والا شخص ہو۔ انکی شخصیت کے اس نڈر اور بہادرانہ پہلو نے پلر کے بہت سے انتظامی معاملات کو درست سمت دینے کا باعث بنے بلکہ انکی پالیسی انتظامی لحاظ سے بہت کامیاب ثابت ہوئی۔ ایک مرتبہ کسی قانونی معاملہ پر پلر کے لیبر لاز کے وکیل جو ایک بزرگ شخصیت تھی کی رائے اور کریم صاحب کی رائے میں بہت اختلاف تھا

جس پر کریم صاحب کے آفس میں وکیل صاحب کے ساتھ ایک میٹنگ کا اہتمام کیا گیا جس میں ملز کے جی ایم اور میں بھی شامل تھا۔ میٹنگ میں کریم صاحب نے زور و شور سے اپنے موقف کا بیان کیا اور یہ میٹنگ تو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی جس کے اختتام پر وکیل صاحب جی ایم صاحب کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ کریم الدین صاحب نے جس اولوالعزمی سے اپنی رائے کا اظہار کیا میں اپنی رائے میں لچک پیدا کرنے پر تیار ہو گیا ہوں۔

کئی مرتبہ وہ اپنی انتظامی ذمہ داریوں کی بجا آوری میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں پر ناراض بھی ہو جاتے مگر اپنی پوری سروس میں انہوں نے کبھی کسی ایک بھی employee کو ملازمت سے فارغ کرنے کی سفارش نہیں کی۔

کریم صاحب اپنے آپ پر ہنسنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ کسی معاملے پر وہ ایک بات زور دے کر مجھے سمجھا رہے تھے اور میرے ساتھ کافی مغز ماری کرنے کے بعد مجھ سے کہنے لگے کہ "سمجھ آ گئی ہے؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا "نہیں"۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ وہ کاغذ قلم چھوڑ کر کرسی پر پیچھے ہو کر بیٹھ گئے اور لمبی سانس لے کر کہنے لگے "او راجہ صاحب، ای ٹھیک کہندے نے کہ کریم الدین تو کسی نوں آرام نال سمجھائیں تے اونوں سمجھ وی آ جائے تاں تے اگلے دے پیچھے ای پے جانا اے"۔ اور پھر دیر تک ہنستے رہے۔ اس طرح ایک Tense بحث کا اختتام اپنے اوپر مزاح پر ہوا۔

ذاتی تعلق کے ضمن میں یہ بات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے کبھی بھی میرے ذاتی خیالات، میری ذاتی عادات یا میری اپنی ذات بارے کوتاہیوں اور کمیوں پر کبھی ایک مرتبہ بھی مجھ سے ناگواری کا اظہار تو دور کی بات ہے کبھی اشارۃً بھی مجھے Taunt نہیں کیا بلکہ ہمیشہ میرے ساتھ محبت اور دلداری کا سلوک روا رکھا اور عزت و احترام کا خیال رکھا۔ کبھی ایک مرتبہ بھی مجھے ناصح بن کر یا اشارۃً بھی اپنے آپ کو برتر سمجھ کر مجھ کو مخاطب کیا یا مجھے کوئی بات جتلائی۔ وہ غالب کے اس شعر کی صحیح معنوں میں عملی تصویر تھے :-

"یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا"

وہ حقیقتاً میرے چارہ ساز اور غم گسار تھے۔ انہوں نے میرے لیے ہر وہ کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔ کریم صاحب سے وابستہ اتنی باتیں اور یادیں ہیں کہ ان یادوں پر کئی جلدیں مرتب کی جا سکتی ہیں۔

ملازمت کے سلسلہ وہ میلز کالونی میں مختلف کھیلوں کی ترویج میں کریم صاحب ہر ایک سے بڑھ کر تھے۔ کالونی میں آفیسرز کلب کے تحت ہونے والے کرکٹ ٹورنامنٹس میں وہ ہماری ٹیم کے کپتان ہوتے۔ ان میچوں کے دوران کوارٹر صدر الحسن والے یوسف صاحب دوبارہ زندہ ہو جاتے، نئے نئے نعرے ایجاد کرنا اور بچوں کو میچ کے دوران نعرے لگانے کی ترغیب دینا اور مقابل ٹیم کو انڈر پریشر کرنا کریم صاحب کا خاصہ تھا۔

جوں جوں کریم صاحب کے ساتھ وقت گزرتا رہا توں توں وہ میرے ساتھ

اپنے دل کی بہت سی باتیں کر لیتے۔ میں انکی بہت سی باتوں
اور رازوں کا امین ہوں اور انشاءاللہ مرتے دم تک امین ہی رہونگا۔

میری والدہ کی وفات 2012 میں ہوئی جس کے بعد والد صاحب میرے پاس
ریز کالونی میں منتقل ہو گئے۔ کریم صاحب والد صاحب کو ملنے میں خوش
آمدید کہنے گھر آئے اور ہمیشہ انکی صحت کے بارے مجھ سے پوچھتے
رہتے۔ اور انکی وفات پر میرے ساتھ بہت دلداری اور ہمدردی کا سلوک کیا۔
کریم صاحب نے اپنی والدہ کی خدمت کی بھی ایک داستان رقم کی جو
شاید کم کم کسی اولاد کے حصہ میں آتی ہو۔

یادوں کی ایک برسات ہے جو بہے چلی جا رہی ہے۔ نومبر 2020 میں
میرے باہر منتقل ہونے پر بہت اداسی اور محرومی کا ذکر کرتے ہوئے
ایک مرثیہ مجھے لکھا:-

"Leaving Pakistan by you is
One of my biggest loss visa
vis the wailing wall, Fact is
روح ترس گئی ہے میری ہم سخن کیلئے"

وہ مجھ سے محبت رکھتے تھے۔ مجھے نہیں علم کہ اسکی کیا وجہ ہو سکتی
ہے مگر وہ دل سے مجھے چاہتے تھے اور میں انکی محبت اور چاہت
کو محسوس کر سکتا تھا، کرتا ہوں اور کرتا رہونگا۔

"لے او یار حوالے رب دے تے ملی پئی اے جدائی
حشر دیہاڑے آن ملاں گے ہُن ہور امید نہ کائی"